

چار دوست۔۔۔ سفر پر جانا۔۔۔ راستے میں خزانہ ملنا۔۔۔ خزانہ تقسیم کرنے کا منصوبہ۔۔۔ پہلے کھانا کھانے کا ارادہ۔۔۔ ایک دوست کو کھانا لانے شہر بھیجنا۔۔۔ تینوں دوستوں کی نیت میں کھوٹ آنا۔۔۔ ساتھی کے قتل کا منصوبہ۔۔۔ کھانے میں زہر۔۔۔ ساتھی کا قتل۔۔۔ زہر ملا ہوا کھانا کھانا۔۔۔ سب کا مر جانا۔

جواب:

لاٹچ کا انجام

کسی گاؤں چار دوست رہتے تھے۔ چاروں بہت گہرے دوست تھے وہ ہر کام میں آگے آگے رہتے تھے۔ چاروں نے مل کر تجارت کرنے کا فیصلہ کیا اور سامان سفر باندھا اور نکل پڑے چلتے چلتے وہ ایک گئے جنگل میں پہنچ گئے آسمیں راستہ بنا کر نکلنے لگے پیڑوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے انھیں ایک پیڑ کی جڑ میں کھوکھلی جگہ میں کچھ عجیب چیزیں دکھائی دیں۔ ان کو حیرت ہوئی۔ ان چاروں نے وہ چیزیں نکالی اور کھول کر دیکھا تو ان چاروں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں آسمیں تو سونا تھا یعنی ان کے ہاتھ خزانہ لگ گیا تھا۔ اب ان کو شہر جانے کی ضرورت نہیں تھی انھوں نے پیڑ کی جڑ سے سارا سونا نکال لیا اور اسے اٹھا کر کے رب کا شکر ادا کرنے لگے۔ مگر انھوں نے سوچنا شروع کیا۔ سب نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ خزانہ آپس میں بانٹ لیں گے۔ مگر شیطان نے ان کے دل میں دوسو ڈال دیا کہ چاروں میں یہ خزانہ بٹاؤ ہر ایک کے حصے میں تھوڑا تھوڑا آئے گا اسلئے ان کی نیت بدل گئی۔ بھوک لگ رہی تھی ان میں سے تینوں نے ایک کو گاؤں کھانا لانے بھیجا۔ جب وہ چلا گیا تو باقی تینوں نے مشورہ کیا کہ جیسے ہی یہ کھانا لے کر آئے گا ہم اس کا کام تمام کر دیں گے اور اس کا حصہ آپس میں بانٹ لیں گے یہ فیصلہ کر کے وہ چوتھے دوست کا انتظار کرنے لگے ادھر جو دوست کھانا لانے گیا تھا اس نے سوچا کہ خزانہ خزانے کے چار حقدار ہو گئے میں ایسا کرتا ہوں کھانے میں زہر ملا دیتا ہوں تاکہ اسے کھا کر تینوں مر جائیں اور پورا خزانہ مجھے اکیلے کو مل جائے۔ یہ سوچ کر اس نے دکان سے زہر لیا اور کھانے میں ملا دیا اور جنگل کی طرف چل پڑا جہاں اسکے دوست اُس کا انتظار کر رہے تھے جیسے ہی وہ آیا اور اُس نے کھانا سامنے رکھا تینوں نے مل کر اس کا قتل کر دیا اس کی لاش کو جنگل میں دفن کر کے تھک گئے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ چلو کھانا کھا کر خزانہ آپس میں بانٹ لیں۔ کھانا کھاتے ہی ان کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ تینوں بھی تڑپ تڑپ کر مر گئے خزانہ ان کے پاس ہی پڑا رہ گیا۔

نتیجہ ”لاٹچ بری بلا ہے“

5 - (ج) ذیل میں سے کسی ایک عنوان پر 100 تا 120 الفاظ پر مشتمل

8

مضمون لکھیے:

(1) اگر امتحان نہ ہوتے!

(2) کسان کی آپ بیتی

(3) آن لائن طرز تعلیم - فوائد اور نقصانات

(1) اگر امتحان نہ ہوتے

عمر گزرے گی امتحان میں کیا!
داغ ہی دیں گے مجھ کو دان میں کیا؟

ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے ہر امتحان میں نہ صرف کامیاب و کامران ہوں بلکہ ان کا سماج میں ایک مقام بھی ہو۔ امتحانات صرف بچوں کے نہیں ہوتے، امتحان کے یہ سخت ایام والدین کیلئے بھی ایک بڑا امتحان ہوتے ہیں۔ امتحانات کے دوران والدین پر بھی بہت ساری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ بھی اپنی ساری توجہ بچوں کی پڑھائی کی طرف مرکوز رکھتے ہیں۔ غرض امتحانات پہ ہر کسی کیلئے ذہنی دباؤ، پریشانی اور طرح طرح کے نفسیاتی مرض پیدا کر دیتی ہے امتحان ہال میں جاؤ تو آس پاس طلبہ اس طرح پریشان نظر آتے ہیں گویا کمرہ عدالت میں مجرم اپنی سزا کے انتظار میں ہوں اور اساتذہ اسی طرح گھومتے ہیں گویا جو کچھ پریشانی ہو رہی ہے یا طلبہ کا جو نتیجہ آنے والا ہے وہ انھیں ابھی سے معلوم ہو گیا ہو اور وہ شرمندہ شرمندہ لگ رہے ہوں۔

آس پاس کے دکاندار طلبہ سے باتیں نہیں کرتے کوئی نصیحت کرتا ہے۔ دیکھو بچوں جلدی جاؤ۔ جلدی کھاؤ۔ جلدی لکھو۔ جلدی پڑھو اور جلدی سو جاؤ۔ گویا امتحان نہ ہوا جلد بازی کا مقابلہ ہوا۔ سوال کے پرچے ہاتھ میں آتے ہی خون خشک ہو جاتا ہے۔ آواز حلق میں گھٹ جاتی ہے۔ پسینہ جلدی جلدی نکلتا ہے نظر دھندلا جاتی ہے لاکھ کوشش کے باوجود نہ کچھ یاد آتا ہے نہ ہاتھ کی لکپی جاتی ہے۔ لکھنا کچھ چاہتے لکھا کچھ جاتا ہے۔ پہلی کا پیڑ کو متحّن اہلی کا پیڑ پڑھتا ہے بخد مت ہیڈ ماسٹر صاحب پرتو تو ہمیں مار بھی پڑھی کہ بد بخت کیوں لکھا غرض ہمیں یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کاش یہ امتحان ہی نہ ہوتے تو کیا مزہ ہوتا۔ سوچئے ذرا!!!

اگر امتحان نہ ہوتے تو ہم روزانہ کی یہ سوال و جواب، ہوم ورک اور یہ تلاش کیجئے، وجہ لکھئے وغیرہ کے چکر میں بلا وجہ پریشان نہ ہوتے صبح وشام، ماں باپ کی ایک ہی رٹ ہوم ورک مکمل کرو!! پڑھائی کرو یہ کرو!! وہ کرو!! نہ کلاس میں پاس فیل کا ٹینشن نہ کسی کے زیادہ اور کسی کے کم مارکس لے آنے کا غم ہر طالب علم برابر اور ہر بچہ خوش ہوتا جس کا جی ہوتا یاد کرتا اور جس کا جی ہوتا دن بھر کھیلتا اور ہر طرح کے مزے اڑاتا۔ سال پورا ہونے کے بعد ہر سال چھٹیوں کا مزہ ہی نہ اٹھاتا ہوتا ایسا نہ ہوتا کہ امتحان کے ٹینشن میں چھٹیوں کا مزہ خراب ہو!!!

ہر سال ہمارا چھٹیوں کا پلان پہلے ہی بن جاتا اور ہم چھٹیوں میں الگ الگ جگہوں کی سیر کا مزہ اٹھاتے کا مزہ اٹھاتے اور نئے نئے مقامات اور ہر طرح کے کھیل، کھانے پینے اور سونگنگ کا مزہ دو بالا کرتے۔ سال بھر ہوم ورک مکمل کرنے کے ٹینشن سے بچ جاتے اور ایک سال کی کاپیاں کئی کئی سال چلاتے اسکول کی، بورڈ کی، کمپیوٹر کی، ٹیوشن کی ساری فیس کا ٹینشن ہی نہ ہوتا ہم یہ سارے پیسے اپنی سیر کے لیے جمع رکھ لیتے اور اساتذہ کی نگرانی میں سیر کا لطف اٹھاتے۔

(2) کسان کی آپ بیتی

یوں تو ہم نے ہر کسی کی آپ بیتی سنی اور پڑھی ہے جیسے ٹوٹی کرسی کی آپ بیتی، ایک گدھے کی آپ بیتی، پھٹے جوتے کی آپ بیتی، گاندھی جی کی آپ بیتی وغیرہ وغیرہ۔

اس مرتبہ ہم جس آپ بیتی کے بارے میں لکھنے جا رہے ہیں وہ ”کسان“ ہے کسان، وہ شخص ہوتا ہے جو ساری دنیا کو اناج فراہم کرتا ہے۔ کھیتوں میں سارا سارا دن کام کرتا ہے۔ دھوپ میں، چھاؤں میں، بارش ہو یا سردی یا کہ گرمی اسے اپنا کوئی ہوش نہیں رہتا۔ بھوک پیاس یہاں تک کہ نیند غرض ہر چیز قربان کر دیتا ہے۔

دیے بھی بھارت کا عام کسان انتہائی غربت کی زندگی گزارتا ہے۔ خود سادہ رہتا ہے سادہ کھانا کھاتا ہے اور دوسروں کو تمام چیزیں اناج اور سبزیاں پھل وغیرہ مہیا کرتا ہے۔

ایسے ہی کسان کی آپ بیتی کا ہم ذکر کرنے جا رہے ہیں۔

میں کسان ہوں بھارت کیلئے ایک ایسا عظیم سیاہی ہوں جو ملک کی زمینوں پر اپنے خون پسینے سے محنت سے سب کچھ اُگاتا ہوں۔ تمام دنیا میرے خون پسینے سے اُگائے اناج، پھل اور سبزیاں پیٹ بھر بھر کھاتی ہے اور مزے کی نیند سوتی ہے۔ میں دن بھر محنت کرتا ہوں کبھی بھی تھک کر نہیں بیٹھتا چاہے موسم اچھا ہو خراب ہو تمام دنیا گرمیوں میں ٹھنڈے کمروں میں ہوتی ہے۔ میں سخت دھوپ میں کھلے آسمان کے نیچے سورج کی تمام گرمی برداشت کرتا ہوں ننگے پیر، کم پٹروں میں اپنے بچوں کی طرح پیارے جانوروں کے ساتھ اپنے پورے خاندان کو مصیبت میں ڈالنا پسند کرتا ہوں۔ اکثر ہمارے پاس کھانے کیلئے سوائے پیاز اور جو کی موٹی روٹی کے سوا کچھ نہ رہتا۔ مگر ہم خالی پیٹ ان دو چیزوں سے بھوک مٹا لیتے اور اپنے کھیت کے اناج کو نہ چھوتے کہ یہ دوسروں کی امانت ہیں۔ جب فصل کاٹنے تو خوش ہوتے مگر بازار جا کر خود غرض دنیا کو دیکھتے اور پھر یہ سوچ کر ساری فصل کم داموں میں دے دیتے کہ شاید دنیا ہم سے زیادہ بھوکی ہے، غریب ہے یا شاید دنیا کے پاس ہمیں دینے کیلئے پیسے ہی نہیں ہیں۔

میں ہر سال تہوار پر اپنے خاندان کو اگلے سال سب دلانے کا وعدہ کرتا اور میرا خاندان آگے آنے والے اچھے دنوں کے خواب سجا کر تہاہ حالت میں بھی خوش ہو جاتا۔ مگر اب تو لوگ بڑے بڑے ڈپارٹمنٹل اسٹور بعد شاپنگ مال سے میری نیچی نیچی ہوئی چیزیں انتہائی مہنگے داموں میں خرید لانا پسند کرتے ہیں۔

میں قرض لے لے کر پریشان رہتا ہوں اور حکومتیں میرے اناج کو باہر ملک بیچ کر بڑا منافع کماتی ہیں۔ وہ میٹھی نیند سو جاتے اور میں دن رات پریشان رہتا ہوں۔

شاید میرا نصیب یہی ہے۔ مگر میں اپنا کام کرتا رہوں گا چاہے جو حالات ہوں یہی میری کہانی ہے۔ یہی میرا حال !!!

(3) آن لائن طرز تعلیم - فوائد و نقصانات:

بھارت میں دنیا کی سب سے زیادہ نوجوان نسل بستی ہے اور بھارت میں دنیا کے سب سے زیادہ اسمارٹ فون استعمال کرنے والے لوگ آباد ہیں اب وہ دن دور نہیں جب

بھارت میں 5G اور 6G کی سہولتیں ہر شہری کو مل جائیں۔ بھارت چاہے جتنا غریب ہو جائے انکے شہری کتنے بھی پریشان حال ہوں یہاں کچھ کمپنیاں ایسی ہیں جو خراب حالات میں بھی انٹرنیٹ اور موبائل نیٹ ورکنگ میں زبردست منافع کماتیں ہیں۔ اب حالات یہ ہیں کہ غریب والدین کے بچے بھی موبائل رکھتے ہیں دن دن بھر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ ابھی کرونا کے دور میں جب ساری دنیا تھم گئی تھی تب موبائل نے ہر کسی کو ایک دوسرے سے جوڑ رکھا تھا انسان قید تھے مگر موبائل آزاد تھے۔ ہے۔ بدلتے حالات میں اب دنیا میں طرز تعلیم بھی بدل گیا ہے۔ کرونا نے ساری دنیا کے نظام کو یکفخت تبدیل کر دیا ہے۔ تجارت - صحت اور تعلیم اب آن لائن ہو گئی ہے ذیل میں ہم آن لائن طرز تعلیم کے فوائد اور نقصانات پر بحث کریں گے۔

آن لائن طرز تعلیم کے فوائد:

(1) آن لائن طرز تعلیم کا سب سے پہلا اور بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس میں وقت اور عمر کی قید نہیں ہے (2) کوئی بھی طالب علم گھر بیٹھے اس طرز تعلیم سے سیکھ سکتا ہے جس کے لئے اسے لمبا فاصلہ طے کرنا ہوتا تھا۔

(3) اب اسکول کالج میں جا کر خرچ کر کے ہنگامی سہولیات کا استعمال کر کے سیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(4) طلبہ کو بھیڑ بھاڑ والی کلاس میں صرف بندھے ہوئے اسباق سننے اور پڑھ کر رٹنے کی ضرورت نہیں رہی۔

(5) آن لائن طرز تعلیم سے وہ ایک ہی وقت میں مشکل مضمون کے کئی الگ الگ ویڈیوز انٹرنیٹ سے ڈھونڈ کر بچوں کو بھیجے جاسکتے ہیں۔

(6) طلبہ اپنے مضمون سے متعلق نئے ویڈیوز تلاش کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

(7) طلبہ انٹرنیٹ کے سہارے اپنے ہوم ورک، پروجیکٹ، سہما اور Assignment خود ہی تلاش کر کے لکھ سکتے ہیں۔

غرض آن لائن طرز تعلیم کی دیگر اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جو آج عام ہو گئی ہیں۔

آن لائن طرز تعلیم کے نقصانات:

آن لائن طرز تعلیم جہاں مفید ہے وہاں نقصان دہ بھی ہے۔ آج انٹرنیٹ پر معلومات حاصل کرنے کی بجائے صرف Surfing کی جاتی ہے اس طریقے میں طلبہ کا زیادہ وقت ضائع ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اس طریقے میں طلبہ آزاد ہوتے ہیں اور وہ اپنا کام سنجیدگی سے کرنے کی بجائے لطف اندوزی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ تعلیمی کم اور لطف اندوزی کے ویڈیوز زیادہ دیکھتے ہیں۔ طلبہ اپنے مضمون سے متعلق مفید اور نقصان دہ مواد میں فرق نہیں کر پاتے انٹرنیٹ پر دنیا بھر کی فضول چیزیں صرف ایک کلک پر دستیاب ہو جاتی ہیں جس سے طلبہ کا وقت ضائع ہو جاتا ہے وہ غیر مفید چیزوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور بجائے فائدے کے نقصان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کی لت پڑ جاتی ہے۔ جیسے آن لائن گیم، ٹک ٹاک کی ویڈیوز بنانا وغیرہ وغیرہ۔



(ج) ذیل کے عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر ۱۲۰ تا ۱۰۰ الفاظ پر مضمون لکھیے: 8

(۱) موبائل کے فوائد و نقصانات۔

(۲) اگر میں وزیر تعلیم ہوتا ہوتا

(۳) آف! ٹریفک کا اڑدھام

مضمون

موبائل کے فوائد و نقصانات

موجودہ دور میں موبائل یہ ہر کسی کی بنیادی ضرورت بن گیا ہے۔ بنیادی سے مراد اگر موبائل ہو تو انسان بچہ ہو یا بوڑھا اسے بھوک پیاس کا احساس تک نہیں ہوتا اسے وقت کے گزرنے دن رات اور دنیا کی مصروفیت سے بھی بیگانگی ہو جاتی ہے۔ موبائل ہر طرح سے انسان کیلئے ضروری بن گیا ہے۔ موبائل سے ہر انسان کو فائدے اور نقصان دونوں ہوتے ہیں ذیل میں ہم ان دونوں نکات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

مکمل مضمون: صفحہ 38 پر

اگر میں وزیر تعلیم ہوتا ہوتا

”تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے“ آپ ﷺ کے فرمان سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ یہ علم دینی بھی ہے اور دنیاوی بھی، بطور مسلمان ہم اپنے فرائض مکمل کر سکیں اور کسی کی حق تلفی نہ کریں اس کے لئے دینی علم حاصل کرنا ضروری ہے اور دنیاوی تعلیم کو حاصل کرنا اسلئے بھی ضروری ہے کہ آج دنیا تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور دنیا کے ساتھ رابطے میں رہنے کیلئے تعلیم ایک واحد ذریعہ ہے اگر ہم تعلیم حاصل نہ کریں گے تو دنیا سے پیچھے رہ جائیں گے اور کپڑے کمزوروں کی طرح چل دیئے جائیں گے۔ انسان بنیادی تعلیم اپنے گھر سے حاصل کرتا ہے پھر اسکول، کالج اور یونیورسٹی سے تعلیم کیلئے جو شخص ذمہ دار ہوتا ہے اسے وزیر تعلیم کہتے ہیں۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو اپنے ملک کے تمام نجی و سرکاری اسکولوں میں ایک جیسا نصاب پڑھاتا تاکہ ہر بچے کو یکساں علم ملے اور پھر روزگار کے مواقع سب کو یکساں میسر ہوں۔ اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو اپنے ملک کے نصاب کو وقتاً فوقتاً تیار کرتا کہ دنیا میں ہونے والی تبدیلیاں اور ترقی ہمارے نصاب میں شامل کی جاسکے۔

اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو چھوٹے چھوٹے بچوں کے کاندھوں پر لٹکے ہوئے بھاری بھاری بستوں پر پابندی لگوا دیتا اور ان بچوں پر ہوم ورک کرنے پر پابندی لگا دیتا۔ چھوٹے بچوں کے خوب ہلکے اور معمولی بستے جاری کرواتا اور انہیں کھیل کھیل کے ذریعے تعلیم دینے کا قانون جاری کرتا جس سے وہ بچے بھی خوشی خوشی اسکول جاتے اور ان کے ذہنوں پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ ماں باپ کو ان بچوں کو روزانہ پڑھانے، ہوم ورک مکمل کروانے، کتابیں، بیاضیں اور دیگر لوازمات خریدنے کا نیشن نہیں ہوتا۔ ان بچوں کی بھاری بھاری فیس اور ڈیویشن بھی ختم کروا دیتا۔

اگر میں وزیر تعلیم ہوتا تو نجی اسکولوں کی فیس کم کرواتا اور سرکاری اسکولوں کو بھی نجی اسکولوں جیسا بہترین بناتا تاکہ غریب بچے بھی بہتر تعلیم حاصل کر سکیں۔ غریب طلبہ کو اسکول سے ہی کتابیں، بیاضیں اور دیگر لوازمات فراہم کرواتا انہیں یونیفارم، جوتے، بستے اور

اسکا لرشپ سرکار کی طرف سے لازمی طور پر دلواتا۔

کوشش کرتا کی ہماری تعلیم مفت کر دی جائے اور طلباء کو اسکا لرشپ لازمی کرتا تاکہ وہ اپنی تعلیم کے دوران پیسے کی تنگی اور روزگار کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ امتحانات میں ہر کمرے میں CCTV لگواتا اور پولس اسٹیشن اور پولس محکمے کو امتحانات کی ذمہ داری دیتا تاکہ نقل بالکل نہ ہو۔ محنتی طلباء کو ان کا حق دلواتا اور ملک کی ترقی میں انکا حصہ لازمی کرواتا اساتذہ کو بہترین تنخواہ دلواتا اور اسکولوں میں میدان، سوئمنگ پول اور ہر طرح کی سہولتیں دیتا۔ ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے ہر ایچہ کام کرتا۔

آف! ٹریفک کا اڑدھام

گھڑی کی سوئیاں ساڑھے ۱۱ بج رہی تھیں۔ میں جلدی جلدی تیار ہوا۔ ناشتہ کیا اور اسکول بیگ لے کر تیزی سے اسکول کی طرف روانہ ہوا مگر اسکول جلدی پہنچنے کی میری ساری خوشیوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب میں سڑک پر موجود ٹریفک میں پھنس کر رہ گیا۔ آج پھر سے ٹریفک جام تھا۔ سوار یوں پر سواریاں آسنے سامنے یوں کھڑی تھیں گویا جنگ کے میدان میں آسنے سامنے ٹینک کھڑے ہوں اور ایک دوسرے کو لاکار رہے ہوں کے آگے بڑھ کر دکھاؤ میں بیچارہ پیدل سپاہی کی طرح سائیکل پکڑے حسرت سے چپوٹی کی چال چلتے ٹریفک کو دیکھتا اور بھی ساتھ میں لگی گھڑی کو دیکھتا۔ گھڑی تیز چل رہی تھی اور ٹریفک دھیرے دھیرے کاش کے گھڑی کی سوئیاں ٹریفک کی طرح رک جاتیں۔ مگر نہیں!

ہمارا اسکول ٹھیک ۱۲ بجے شروع ہو جاتا ہے اور ہمارے پی ٹی ٹی ٹیچر ۱۲ بج کر ۱۲ منٹ پر پہل ہوتے ہی اسکول کے گیٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ بج کر ۱۲ منٹ کے بعد آنے والا ہر بچہ لیٹ کمر سمجھا جاتا ہے۔ اسے کلاس میں ۱۰ منٹ سزا کے طور پر کھڑا ہونا پڑتا ہے اس کے والدین کو موبائل میسج کے ذریعے ڈانٹ سننی پڑتی ہے اور ساتھ ہی ۵۰ قسم کی ہدایت اور اس پر عمل کرنے کی سختی اور دنیا بھر کے قوانین سمجھائے جاتے ہیں۔ ہمارے والدین تو ویسے ہی اپنے کام کاج میں پریشان رہتے ہیں اوپر سے اسکول کی ضروریات اور یہ سخت قوانین۔ ہم اپنی زندگی میں کبھی جان بوجھ کر لیٹ نہیں ہوئے مگر ٹریفک کو ہمارے ٹائم ٹیبل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

بے رحم ٹریفک کو یہ بھی نہ سمجھتا کہ کسی کو اسپتال جانا ہے، کسی کو دفتر جانا ہے اور کسی کو اسکول، ٹریفک کے اڑدھام میں آگے بڑھتے ہوئے مزید مصیبت تب ہوگئی جب میرے آگے موجود بڑی سواریاں آپس میں دھکا کبکی کے دوران لڑ پڑیں اور اب تو ہر سواری کے سوار میدان میں تھے سڑک گویا کسی سیاسی جلسے کا نظارہ پیش کر رہی تھی اور سواریاں اپنے ہارن اور آواز سے نعرے لگا رہی تھی۔

لوگ مایوس تھے گویا ملک کی ترقی میں سڑک پر بیوہ ہوگئی تھی میں آگے جانے کی بجائے پیچھے ہٹنے اور نکل جانے کے بارے میں سوچتا رہا مگر نہ آگے جاسکتا نہ پیچھے، گویا آگے کنواں پیچھے کھائی۔ ابھی کل کی ہی بات تھی کلاس میں دیر سے پہنچنے پر درس باتیں، ڈانٹیں اور مار کھائی تھی آج پھر وہی مصیبت، میری طرح بہت سے اسکولی بچے مایوسی سے وقت گزرتا دیکھ رہے تھے مگر کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔ بزرگ دھوکے سے پریشان بچے ہارن کی آواز سے پریشان اور نوجوان اپنی قسمت سے پریشان نظر آئے میں سوچنے لگا کہ سڑک کو چاہیے کہ لوگوں کے گھروں سے نکلنے کے اوقات مقرر کر دے تاکہ اسکول کے وقت دوسرا کوئی سڑک پر آئے ہی نہ۔

دوسرے دوست سے پوچھا کہ رچھ تمہارے کان میں کیا کہہ رہا تھا تب دوسرے دوست نے افسوس کے ساتھ کہ ”رچھ“ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ”خود غرض دوست کے ساتھ آئندہ کبھی مت رہنا!!“ یہ کہہ کر وہ دوست اٹھا اور گھر کی طرف چل دیا۔
سبق: خود غرض کی دوستی سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔“

(ج) ذیل کے عنوانات میں سے کسی ایک پر ۱۰۰ تا ۱۲۰ الفاظ پر مشتمل مضمون لکھیے: 8

(۱) آف! ٹریفک

(۲) اگر میں وزیر تعلیم ہوتا رہتی

(۳) موبائل کے فائدے اور نقصانات

آف! ٹریفک کا اژدھام

گھڑی کی سوئیاں ساڑھے ۱۱ بج رہی تھیں۔ میں جلدی جلدی تیار ہوا۔ ناشتہ کیا اور اسکول بیگ لے کر تیزی سے اسکول کی طرف روانہ ہوا مگر اسکول جلدی پہنچنے کی میری ساری خوشیوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب میں سڑک پر موجود ٹریفک میں پھنس کر رہ گیا۔ آج پھر سے ٹریفک جام تھا۔ سواریوں پر سواریاں آنے سامنے یوں کھڑی تھیں گویا جنگ کے میدان میں آنے سامنے ٹینک کھڑے ہوں اور ایک دوسرے کو لٹکار رہے ہوں کے آگے بڑھ کر دکھاؤ میں بیچارہ پیدل سپاہی کی طرح سائیکل پکڑے حسرت سے چیونٹی کی چال چلتے ٹریفک کو دیکھتا اور کبھی ہاتھ میں لگی گھڑی کو دیکھتا۔ گھڑی تیز چل رہی تھی اور ٹریفک دیر دیر کے کاش کے گھڑی کی سوئیاں ٹریفک کی طرح رک جاتیں۔ مگر نہیں!

مکمل مضمون: صفحہ 22 پر

اگر میں وزیر تعلیم ہوتا ہوتی

”تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ یہ علم دینی بھی ہے اور دنیاوی بھی، بطور مسلمان ہم اپنے فرائض مکمل کر سکیں اور کسی کی حق تلفی نہ کریں اس کے لئے دینی علم حاصل کرنا ضروری ہے اور دنیاوی تعلیم کو حاصل کرنا اسلئے بھی ضروری ہے کہ آج دنیا تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور دنیا کے ساتھ رابطے میں رہنے کیلئے تعلیم ایک واحد ذریعہ ہے اگر ہم تعلیم حاصل نہ کریں گے تو دنیا سے پیچھے رہ جائیں گے اور کیڑے مکوڑوں کی طرح پھل دیئے جائیں گے۔ انسان بنیادی تعلیم اپنے گھر سے حاصل کرتا ہے پھر اسکول، کالج اور یونیورسٹی سے تعلیم کیلئے جو شخص ذمہ دار ہوتا ہے اسے وزیر تعلیم کہتے ہیں۔

مکمل مضمون: صفحہ 22 پر

موبائل کے فائدے اور نقصانات

موجودہ دور میں موبائل یہ ہر کسی کی بنیادی ضرورت بن گیا ہے۔ بنیادی سے مراد اگر موبائل ہو تو انسان بچہ ہو یا بوڑھا اسے بھوک پیاس کا احساس تک نہیں ہوتا اسے وقت کے گزرنے دن رات اور دنیا کی مصروفیت سے بھی بیگانگی ہو جاتی ہے۔ موبائل ہر طرح سے انسان کیلئے ضروری بن گیا ہے۔ موبائل سے ہر انسان کو فائدے اور نقصان دونوں ہوتے ہیں ذیل میں ہم ان دونوں نکات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

موبائل کے فائدے:

موبائل انسان کو اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور غیر ممالک میں رہنے والے عزیزوں سے جوڑے رکھتا ہے۔ انسان طبعی طور سے بھلے دور ہو مگر جب اس کا دل چاہے اور جتنی دیر چاہے اپنے عزیزوں رشتہ داروں سے بات چیت اور ویڈیو کالنگ کر کے ان کے حالات دیکھ سکتا ہے۔ موبائل پر خبروں کے الگ الگ چینل ہوتے ہیں ان پر وہ دنیا بھر کے حالات معلوم کر سکتا ہے کھیلوں کے چینل سے وہ اپنی دلچسپی کے کھیل دیکھ سکتا ہے۔ ملک اور بیرون ملک میں ہو رہے مقابلوں اور سیاسی حالات کا جائزہ لے سکتا ہے۔

انٹرنیٹ کے بغیر موبائل ادھورا ہو جاتا ہے اگر انٹرنیٹ ہو تو پھر انسان کو طلبہ کو کتابوں اور دوستوں غرض اساتذہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر طرح کے مواد، اسباق اور پکوان کے ویڈیوز ہر چیز کی تیاری اور مرمت کے طریقے، نمونے کے پرچے، چیزیں، ہم انٹرنیٹ سے معلوم کر کے اپنی ضرورت کے مطابق کام کر سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ہزاروں ایپ موجود ہوتے ہیں موبائل پر ان فری ایپ کو ڈاؤن لوڈ کر کے ہم مشق کر سکتے ہیں اور اپنے آپ کو ہر ضرورت کیلئے تیار کر سکتے ہیں، کتابیں پڑھ سکتے ہیں، مذہبی تعلیمات حاصل کر سکتے ہیں، تلاوت کر سکتے ہیں اور فارغ وقت میں اپنی پسند کی تعلیمی ویڈیوز، گیسس اور کھیلوں کے مقابلے دیکھ سکتے اور کھیل بھی سکتے ہیں۔

غرض موبائل سے ہم بے انتہا فائدہ اٹھا سکتے ہیں ہر چیز کے بارے میں اپنی رائے مضامین اور مشورے، جدید خیالات کا اظہار بھی کر سکتے ہیں، موبائل ایک دوست کی طرح ہماری مرضی کے مطابق ہمیں مواد دکھاتا ہے۔

موبائل کے نقصانات:

دور حاضر میں موبائل کی اہمیت سے ہر انسان واقف ہے۔ اس کی روز افزوں ترقی نے انسان کو اپنی جانب مائل کر دیا ہے۔ انسانی زندگی کے لیے موبائل ڈھیر سارے فوائد کا حامل ہے بلکہ یہ انسانی زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ بن چکا ہے۔ مگر اتنی اہم اور فائدہ مند چیز ہونے کے باوجود موبائل ضرورت سے زیادہ تفریح کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے ذریعے معاشرے میں بے حساب بگاڑ بھی پیدا ہو رہا ہے۔

موبائل کا بے تحاشہ استعمال وقت کی بربادی کا سبب بن رہا ہے۔ آج ہماری نئی نسل میں وقت کی قدر نہیں، اس کے صحیح استعمال کے طریقے نہیں معلوم، ہم فضول کاموں میں اسے صرف کرتے ہیں۔ ہمارے نوجوان تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے اور عبادت گاہوں میں عبادت کرنے کی بجائے موبائل کے ذریعے فضول میسج لکھنے میں مصروف نظر آتے ہیں جو قابل افسوس اور اُمتِ مسلمہ کے لیے فکر کی بات ہے۔ افسوس تو اس وقت ہوتا ہے جب وہ مسجدوں میں بھی نماز سے قبل اور اس کے بعد موبائل میں لگن رہتے ہیں۔

ٹی وی اور انٹرنیٹ کے بعد فحش اشیا کو بڑھاوا دینے میں جس چیز کا سب سے بڑا ہاتھ ہے وہ موبائل ہے۔ مختلف تحقیقات اور سروے کے ذریعے یہ بات سامنے آئی ہے کہ موبائل کا ضرورت سے زیادہ استعمال انسانی صحت کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو رہا ہے۔ اس لیے ہمیں آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم انفرادی طور پر اس کے استعمال اور استعمال کے طریقے پر غور کریں ہمیں اس کے استعمال میں زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

□ □ □ □

۷۔ الیکٹرونک ٹیکنالوجی کا تعلیم میں کردار

ہمارے ایک استاذ الیکٹرونک ٹیکنالوجی تو نہیں، الیکٹرونک سامانوں کی اہمیت و افادیت کے بالکل قائل نہیں ہیں اور تعلیم کے عمل میں تو ان کے کسی بھی قسم کے کردار کے منکر ہیں۔ کہتے ہیں، ان کی طالب علمی کے دوران چوتھی جماعت تک بیاض، انک پین اور بال پین کا قطعی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ چند کتابیں ہوتی تھیں، ایک سلیٹ اور کھریا بس۔ دن بھر کی تدریسی سرگرمیوں کے دوران سلیٹ پر آموزش کا عمل جاری رہتا، اسکول سے فارغ ہوتے ہوئے سلیٹ صاف کر دی جاتی۔ اسی سلیٹ پر یادداشت کی بنیاد پر گھر کام پورا کیا جاتا، دوسرے دن استاد کو دکھانے کے بعد صاف کر دیا جاتا۔ اور پھر اسی یادداشت اور آموزش کی بنیاد پر ششماہی اور سالانہ امتحانات ہوتے۔ موجودہ صورت حال کی روشنی میں استاذ محترم کی بات حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ لہذا ان سے اتفاق کرنے کا من بنایا لیکن اخیر میں جس بات کا اظہار کیا، اختلاف وہیں پیدا ہو گیا۔ انھوں نے کہا کہ ان لوگوں نے اتنے کم وسائل کے ساتھ تعلیم حاصل کی پھر بھی ہم لوگوں سے بہت زیادہ ذہین اور چالاک ہیں۔ مجھے لفظ ”ذہانت“ پر شدید اختلاف ہوا کہ نظام تعلیم میں ”ذہانت“ کے علاوہ کسی اور چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ازمنہ قدیم میں ذہانت تو سلیٹ اور کھریے کے بغیر پیدا بھی ہو جاتی تھی اور نمودار بھی۔ کیا ذہانت کے علاوہ دیگر عناصر اور عوامل کوئی اہمیت نہیں رکھتے؟

مندرجہ بالا طویل تمہید کا مقصد میرے مدعا کا اظہار ہے کہ میں موجودہ تعلیمی عمل میں الیکٹرونک ٹیکنالوجی کے استعمال سے اتفاق رکھتا ہوں۔ اور اس سلسلہ میں جتنے بھی الیکٹرونک آلات کا استعمال ممکن ہو سکے، تمام کے استعمال کا قائل بھی ہوں۔ جیسے کیلکولیٹر، نوٹ پیڈ، لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، پروجیکٹر وغیرہ۔ استاذ کمرہ جماعت میں کشمیر سے متعلق نظم پڑھاتے وقت وہاں کی معلومات زبانی طور پر دے رہے تھے۔ اگر کسی کمرہ میں پروجیکٹر اور سماعت سے متعلق دیگر آلات کا نظم ہوتا تو کشمیر سے متعلق تمام ہی معلومات اسکرین پر براہ راست دکھائی جاسکتی تھیں جو کہ زبانی سے کہیں زیادہ مفصل، مکمل اور خوبصورت ہوتی۔ اسی کے ساتھ تعلیم کا یہ دلچسپ عمل، تعلیم کے تئیں مجموعی طور پر دلچسپی کی افزائش کا سبب بنتا۔ اسی طرح دیگر الیکٹرونک ٹیکنالوجی اور آلات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ تفصیل کے لیے کتاب درکار ہے۔ موجودہ تعلیمی عمل میں الیکٹرونک ٹیکنالوجی اور آلات کے استعمال کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ کتابیں، بیاضیں اور دیگر کاغذی اشیاء طاق میں سجادی جائیں یا انھیں out dated قرار دے دیا جائے۔ کئی زاویے سے کتاب اور لیپ ٹاپ استعمال کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کاغذ پر تحریر کتاب کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ پڑھنے اور دیگر استفادہ میں جتنی سہولتیں اور آسانیاں اس میں ہیں، لیپ ٹاپ پر ڈاؤن لوڈ کی ہوئی کتاب میں نہیں ہیں۔ میرے ایک رشتہ دار خلیج کے کسی علاقہ میں ایک ایسی اسکول میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، جس میں طلبہ صرف ایک لیپ ٹاپ لیے حاضر ہوتے ہیں۔ کلاس میں صرف پچیس طلبہ ہوتے ہیں لیکن تعلیم کا روستان کی اسکولوں کے مقابلے میں انتہائی کمتر۔

۱۰۔ کیا انٹرنیٹ کتابوں کا نعم البدل ہے؟

جس زمانے میں ہم زندگی گزار رہے ہیں یہ بڑی تبدیلیوں کا زمانہ ہے۔ آج کل کمپیوٹر انٹرنیٹ Whatsapp اور Facebook کے بغیر زندگی ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ ہر وہ انسان جو ان تمام چیزوں سے جڑا ہوتا ہے وہ زمانے کی تبدیلیوں سے واقف ہوتا ہے۔ کمپیوٹر اب اور چھوٹی شکل یعنی لیپ ٹاپ میں اور موبائل فون میں تبدیل ہو گیا ہے اور تمام معلومات اب انٹرنیٹ Whatsapp اور Facebook جیسے پروگراموں میں دستیاب ہیں اور ان کے حاصل کرنے کا خرچ بھی بہت کم ہے۔

دوسری طرف کتاب کے بغیر طالب علم ادھورا سمجھا جاتا ہے۔ کتابیں ہر وقت نظر کے سامنے موجود رہتی ہیں اور طالب علم کتاب سے ہر وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ انہیں کتابوں کو انٹرنیٹ پر دستیاب کر دیا گیا ہے۔ طالب علم اپنی پسند کی کتاب لنک پر جا کر پڑھ سکتا ہے۔ جب جی چاہے بند کر سکتا ہے۔ کتابیں..... انٹرنیٹ یہ ایک دوسرے کے نعم البدل تو نہیں ہیں مگر بدلے وقت میں طالب علم کے لیے راہِ نما و مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

کتاب غم و اندوہ کے موقع پر ہماری ڈھارس بندھاتی ہے۔ وہ ہمیں کبھی نا اُمید نہیں ہونے دیتی۔ زندگی کی کٹھن اور پُر پیچ راہوں میں وہ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ مفلسی اور غربتی میں وہ ہمیں کفایت شعاری کے ساتھ جینا سکھاتی ہے۔ امیری و امارت کے زمانے میں وہ ہمیں غریبوں، محتاجوں، ضرورت مندوں، یتیموں اور یتیموں کے ساتھ ہمدردی اور امداد کرنے کا درس دیتی ہے۔ کتاب بیماریوں کا علاج بتا کر ہمیں شفا یاب کرتی ہے۔ کتاب ہمیں عقل و دانش مندی کے خزانے عطا کرتی ہے۔ زندگی کے تجربات دیتی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی دُشواریوں کو دُور کر سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ کتاب ہمیں زندگی کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ سچ بولنا سکھاتی ہے۔ خود غرض اور ریا کار دوستوں کی طرح آنکھیں نہیں چراتی۔ یہ ہر وقت، ہر گھڑی، ہر لمحہ، ہر جگہ ہمارے ساتھ رہ سکتی ہے۔ آج انٹرنیٹ ہر گاؤں، دیہات اور شہر میں آسانی دستیاب ہے۔ چاروں طرف انٹرنیٹ کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ہر مضمون، ہر شعبہ، اس سے متعلق ساری معلومات انٹرنیٹ پر موجود ہے۔ طلباء کو بھی اسکولوں میں Smart Board اور Laptop پر تعلیم دی جا رہی ہے۔ جن میں کتابیں PDF فائل کی شکل میں دستیاب ہوتی ہے۔ طلباء ان معلومات سے موقع بہ موقع فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کتابیں مہنگی ہوتی ہیں ان کا حاصل کرنا تھوڑا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے آج کل انٹرنیٹ کا چلن عام ہوتا جا رہا ہے مگر طالب علم کو جو معلومات درکار ہوتی ہیں وہ پرنٹ فارم میں ضرور محفوظ رکھتا ہے۔

اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انٹرنیٹ کتابوں کا نعم البدل ضرور ہے لیکن کتاب ہر دور میں اہمیت کی حامل ہوگی۔

۲۔ اگر میں ٹیچر (معلم) ہوتا

بھارت کے عظیم سپر ہٹ ڈاکٹر ادھا کرشنن صدر جمہوریہ کے جلیل القدر عہدے پر پہنچنے سے پہلے ابتداء میں ایک مدرس تھے۔ ان کی تاریخ پیدائش پانچ ستمبر پورے ملک میں ”یوم اساتذہ“ کے طور پر منائی جاتی ہے۔ اس سال ”یوم مدرس“ کو ہماری اسکول میں بھی بڑے جوش و خروش اور تزک و احتشام سے منایا گیا۔ جس کا اہتمام ہماری اسکول کی انتظامیہ نے کیا تھا۔ جس میں مقررین نے اساتذہ کی خدمات کا کھل کر اعتراف کیا۔ اور میرے دل میں بھی یہ اُمنگ جاگی کہ میں بھی ایک مدرس بنوں۔

اگر میں مدرس ہوتا تو سب سے پہلے میں خدا کا شکر ادا کرتا ہو کہ اس مختار کل نے مجھے معلم کے اعزاز سے سرفراز کیا۔

میری اپنی کلاس میں ایسے بہت سے طلبہ ہیں جو وقت پر اسکول آنا تو دور کی بات وہ تو اسکول نہیں آتے۔ میں انہیں صرف ہلکی پھلکی سزا نہ دیتا اور نہ ہی زبانی تنبیہ و تلقین کرتا، بلکہ ان کے سر پرستوں سے رابطہ قائم کرتا، اور وقت کی پابندی کے ساتھ ان کی بلاناغہ اسکول حاضری کو یقینی بناتا۔

اگر میں ٹیچر ہوتا تو مختلف مقابلہ جاتی امتحان میں شرکت کے لئے طلبہ کو نہ صرف اسکا تا بلکہ ان کی عملی رہنمائی کرتا کہ کیسے تقریری مقابلہ میں شرکت کی جاتی ہے۔ ہزل گوئی، لطیفہ گوئی، ڈرامہ، نظم خوانی، غزل سرائی، تحریری مقابلے، ڈرائنگ کے مقابلے، ہندی اور دینیات کے زائد امتحانات کے لئے طلبہ کی رہنمائی کرتا اور زیادہ سے زیادہ طلبہ کو ان مقابلوں کے لئے راغب کرتا۔ آج کھیل کود کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، میں ان کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کے لیے عملی اقدامات کرتا تا کہ طلبہ کھیلوں کے مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر جوش و خروش کے ساتھ شریک مقابلہ ہوں۔ کچھ لڑکے گنکا کھاتے ہیں، بیڑی پیٹتے ہیں، ہیرا اور ہیروئین کا نوٹو اپنے پاس رکھتے ہیں، میں ان کا سختی سے نوٹس لیتا۔ کیوں کہ یہاں تو ایک نہیں بلکہ کئی گندی مچھلیاں ہیں۔ تو اس مقدس تالاب کو گندہ ہونے سے بچانے کے لیے میں تمام اقدامات کو بروئے کار لاتا۔

اگر میں مدرس ہوتا تو کلاس میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ طلبہ کو گھر پر بھی اچھی اسٹڈی کے لئے باقاعدہ ٹائم ٹیبل بنادیتا اور سرپرستوں کی مدد سے ان پر نگرانی کرواتا۔ نقل بازی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ طلبہ کو ذہنی طور پر ایسا مستحکم کر دیتا کہ وہ ان خرافات سے خود متفر ہو جاتے۔ اگر میں مدرس ہوتا تو طلبہ میں حسن اخلاق کی تربیت کو اولیت دیتا۔

اور اگر میں مدرس ہوتا تو طلبہ کو ذہنی طور پر تیار کرتا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوج میں بھرتی ہوں۔ کیوں کہ اس سے ملک میں مسلم قوم کا وقار بڑھے گا۔ مسلم نوجوانوں کی بیروزگاری دور ہوگی اور فرقہ پرستوں کا دندان شکن جواب دینے کا اس سے اچھا اور کون سا طریقہ ہو سکتا ہے؟

ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت کے مختلف شعبوں میں ملازمت کے حصول کیلئے آئی اے ایس، یو پی ایس اور ایم پی ایس کے امتحانات کے مقابلہ جاتی امتحان کے بیچ پر اسکا رلر شپ امتحان کے لیے میں طلبہ کی رہنمائی کے لئے مختلف ٹیچروں کی ایک تنظیم بناتا۔ تاکہ شروع سے ہی طلبہ ایسے اعلیٰ امتحانات سے ذہنی طور پر ہم آہنگ ہو جائیں۔ اگر میں ٹیچر ہوتا تو وہ طلبہ جو کمزور ہیں ان کی فری کوچنگ کا اہتمام کرتا۔ اور اساتذہ کی فعال اور سرگرم تنظیم بناتا جس سے حکومتی سطح پر یا سماجی سطح پر ان کے حقوق کا تحفظ یقینی ہوتا، ان کے استحصال کو روکتا۔ کیوں کہ اساتذہ کے استحصال سے وہ مایوسی کے شکار ہو جائیں گے اور تعلیمی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

۴۔ اگر میں وزیر اعظم ہوتا

ہیڈ ماسٹر صاحب اپنی خدمات سے سبکدوش ہو رہے تھے۔ آج ان کے شایان شان الوداعی تقریب کا اہتمام تھا۔ مقرر خصوصی سامعین سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے تھے ”حالانکہ بہت سارے لوگ اٹھاون سال کی عمر کے باوجود ذہنی و جسمانی طور پر چاک و چوبند اور صحت مند ہوتے ہیں۔ اپنے تجربات کی روشنی میں وہ اور اچھے ڈھنگ سے اپنی خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ۵۸ سال کے بعد انسان ذہنی اور جسمانی طور پر تھک جاتا ہے، اس کے قویٰ مضائل ہو جاتے ہیں۔ وہ جوش و ولولہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے انہیں خدمات سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔“

یہ بات میرے دل و دماغ میں نقش ہو کر رہ گئی۔ اگر میں وزیر اعظم ہوتا تو سب سے پہلا کام یہ کرتا کہ ۵۸ سال سے اوپر وہ تمام لوگ جو سیاست کے لبادے میں خدمات کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، ان پر پابندی لگا دیتا۔ ایسا قانون وضع کروا تا جس کے تحت گرام پنچایت سے لے کر پارلیمنٹ کے الیکشن تک وہ شخص الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا جس کی عمر فارم بھرتے وقت اٹھاون سال ہو۔ کیوں کہ جن اسباب کی بناء پر کہ انسان، ذہنی و جسمانی طور پر کچھ حد تک ”ناکارہ“ ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کا اطلاق ممبران پارلیمنٹ، وزیروں اور دوسرے سیاسی جفاوریوں پر کیوں نہیں ہوتا؟ اس طرح سیاسی و سماجی خدمات کے لئے نئے خون اور نئے افراد کو موقع ملے گا۔

آج میرے ملک کی معاشی حالت بڑی خراب ہے۔ ہر شعبے میں رشوت عام ہے۔ اگر میں وزیر اعظم ہوتا تو دہشت گردوں اور ملک دشمن افراد کی طرح ان رشوت خوروں کے خلاف بھی ”قومی سلامتی ایکٹ“ اور ناڈا کا استعمال کرنے کی راہیں نکالتا۔ کیوں کہ ان رشوت خوروں نے پورے ملک کا ڈھانچہ ہی ہلا کر رکھ دیا ہے۔

مہنگائی نے غریب عوام کی کمر توڑ کر دکھ دی ہے۔ اگر میں وزیر اعظم ہوتا تو ذخیرہ اندوزوں اور کالا بازاری کر نیوالوں کا ناطقہ بند کر دیتا۔ ان کی زندگی ایسی ہی اجرن کر دیتا اور جیل کی ہوا کھلا دیتا جو مصنوعی قلت پیدا کر کے عوام کا خون چوس رہے ہیں۔

بے روزگاری نے نوجوانوں میں مایوسی کی وبا پھیلا دی ہے۔ میں گاندھی جی کے خوابوں کا ایسا خود کفیل دیہات بنانے کا جتن کرتا جس سے اس بے روزگاری کے اثر دے کو قابو کرنا ممکن ہوتا۔ دیہی صنعت اور چھوٹی صنعت و گھریلو صنعت کے فروغ کے لیے قابل عمل سرکاری پروگرام ترتیب دیتا۔ معاشی مساوات اور سماجی انصاف کو سب سے پہلے ترجیح دیتا۔ امیر اور غریب عوام کے درمیان خلیج اب بحر اعظم میں تبدیل ہو گئی ہے۔ مناسب اور قابل عمل ٹیکس پالیسی کے ذریعے اسے پائے کا میں جتن کرتا۔

اگر میں وزیر اعظم ہوتا تو تعلیمی نظام اور ملک کے دفاع کو یکساں اہمیت دیتا۔ بچوں کے کاندھے سے بستے کا بوجھ کم کرنے کے لئے لائحہ عمل مرتب کرتا۔ بچہ مزدوری کا خاتمہ کرواتا۔ بوڑھوں اور پابھوں کی راحت کے اقدامات کرتا۔

اگر میں وزیر اعظم ہوتا تو ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو یقینی بناتا۔ وہ لوگ جو زبان، فرقہ اور مذہب کی بنیاد پر مختلف فرقوں کے درمیان نفرت کو ہوا دیتے ہیں ان کے دانت کھٹے کر دیتا۔ اور ہمارے ملک بھارت کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں مستقل رکن بنانے کیلئے جتن کرتا اور ملک کو معاشی سماجی اور تہذیبی خوشحالی کی اس منزل میں پہنچا دیتا جہاں ہم فخر سے کہہ سکتے ”میرا بھارت مہان“۔

(۳) دریا کی آپ بیتی

میرا وطن مغربی گھاٹ کی پہاڑیوں میں ہے۔ یہ علاقہ اتنا خوبصورت ہے کہ بس یوں سمجھ لیجیے کہ قدرت کا سارا حسن سمٹ کر یہیں آ گیا ہے۔ صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی سنہری کرنوں سے میرا وطن جگمگا اٹھتا ہے۔

آپ کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہوگا کہ میں ایسے خوبصورت ماحول کو چھوڑ کر اس میدانی علاقے میں کیوں چلا آیا۔ بات یہ ہے کہ میں اکثر اونچائی سے نیچے جھانکا کرتا تھا۔ ایک دن جی میں آیا کہ کیوں نہ نیچے جا کر دیکھا جائے۔ بس جھومتا، مچلتا، راہ کی رکاوٹوں کو کچلتا تیزی کے ساتھ نیچے کی طرف بڑھا۔

زمین پر بہنے لگا تو میرے بہاؤ نے زمین کو دونوں طرف سے کاٹنا شروع کر دیا۔ اس طرح آگے بڑھتے ہوئے میرا پاٹ چوڑا ہوتا جا رہا تھا۔ ایک دن انسانوں کی ایک ٹولی آئی اور میرے دونوں کناروں پر آباد ہو گئی۔ دن بیتتے گئے، آبادی بڑھتی گئی اور گاؤں کے گاؤں بستے گئے۔ انسان میرا پانی اپنے کام میں لانے لگا۔ اتنا ہی نہیں وہ میرے سینے پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تیرانے لگا۔

میں نے زمانے کے بہت الٹ پھیر دیکھے ہیں۔ معمولی بستی گاؤں میں تبدیل ہوئی اور گاؤں شہر بنتے گئے۔ راجاؤں اور سرداروں نے میرے کناروں پر عالی شان محل تعمیر کیے۔ انسانوں کو آباد اور خوش حال دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ کبھی کبھی زیادہ بارش ہونے کی صورت میں میرے اندر پانی زیادہ ہو جاتا ہے جو سیلاب کی صورت میں کناروں پر بہنے لگتا ہے۔ اس وجہ سے کافی جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے۔ فصلیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اس تباہی پر مجھے صدمہ ہوتا ہے لیکن میں کچھ کر نہیں سکتا۔

اگرچہ میں اپنا وطن تفریح کی غرض سے چھوڑ آیا تھا لیکن میدان میں پہنچنے کے بعد میرے خیالات میں بہت سی تبدیلیاں آ گئیں۔ مثلاً میں نے خدمت گزاری کو اپنا شعار بنا لیا۔ میری وجہ سے انسانوں کو بہت سارے فائدے ہیں لیکن میں 'نیکی کر' والی کہاوت پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہی رہا۔ آخر وہ منزل بھی آ گئی جہاں میں نے دیکھا کہ سمندر ایک ماں کی طرح اپنا وسیع دامن پھیلانے ہوئے ہے۔ میں بھی ایک بچے کی طرح اس کی گود میں سما گیا۔

(دلچسپ آغاز و تمہید - 1 نمبر؛ موضوع کی مناسبت سے تفصیلات - 2 نمبر؛ دلکش اسلوب نگارش - 2 نمبر؛ مناسب اختتام - 2 نمبر؛ مجموعی تاثر - 1 نمبر؛ تمام نکات کو مد نظر رکھتے ہوئے 8 میں سے نمبر دیے جائیں)

سوال : 'مزدور نے کہا !' آپ بتی لکھیے۔

مزدور نے کہا !

جواب :

ارے ! آپ مجھ سے کتراتے ہیں۔ کیا اس لیے کہ آپ کا جسم صاف ہے، آپ کے جسم پر قیمتی لباس ہے جس سے بڑی عمدہ خوش بو آ رہی ہے اور میرا جسم میلا ہے، جسم پر معمولی لباس ہے اور میرے جسم اور کپڑے سے مٹی اور پسینے کی بو آ رہی ہے۔ ارے بھی ! اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرا جسم بھی گوشت پوست کا بنا ہوا ہے اور آپ کے جسمانی ڈھانچے پر گوشت چڑھا ہوا ہے۔ پھر مجھ سے نفرت کیوں؟ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ آپ امیر گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں اور میرا جنم ایک غریب خاندان میں ہوا ہے۔ اس وجہ سے آپ خود کو ہیرا اور مجھے پتھر سمجھ رہے ہیں۔ لیکن میں کوئی حقیر پتھر نہیں ہوں بلکہ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میری محنت کی بنیاد پر ہی آپ کے شاندار محلات، حویلیاں اور بلڈنگیں کھڑی ہیں۔ اس لیے اس دنیا میں میری حیثیت کم نہیں ہے۔ ہم دونوں انسان ہیں۔ ہر شخص کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں ہیں۔ آپ کے فرائض آپ جانیں۔ اپنے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہے اسے سناتا ہوں۔ میں غریب خاندان میں پیدا ہوا ہوں لیکن میرے ماں باپ نے اپنی غریبی کے باوجود میری پرورش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو معلوم ہوا کہ میرے ماں باپ اور ان کے جیسے بہت سارے مزدور صبح سے شام تک محنت مشقت کرتے ہیں تب کہیں جا کر دو وقت کی روٹی میسر آتی ہے۔ بعض تو ایسے ہوتے ہیں جنہیں پیٹ بھر کر روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ملوں، کارخانوں، کھیتوں، مکانوں، میدانوں میں ہر جگہ میرے بھائی بند چند سگسوں کی خاطر اپنا خون پسینے کی طرح بہاتے ہیں۔

طاقت ور انسانوں نے دنیا کا نظام اس طرح بنایا ہے کہ زندگی کی خوشیاں ہم سے دور دور رہتی ہیں۔ اگرچہ قدرت نے ہمیں دنیا کی دولت نہیں دی ہے لیکن برداشت کی زبردست قوت دی ہے۔ اس وجہ سے ہم بڑی سے بڑی مصیبت اور بڑے سے بڑے ظلم کو برداشت کر لیتے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ ایک دن سرمایہ داروں کی حکمرانی کا سورج غروب ہوگا اور مشرق سے ایک نئی صبح نمودار ہوگی جو مزدوروں کو کامیابی اور کامرانی عطا کرے گی۔

سوال : ایک اندھے بھکاری کی آپ بیتی لکھیے۔

ایک اندھے بھکاری کی آپ بیتی

جواب :

یہاں گلی کے نکڑ پر مجھے کھڑا دیکھ کر آپ چند لمحوں کے لیے ٹھٹھک جاتے ہیں۔ بھلے ہی میں اپنی آنکھیں کھوپکا ہوں لیکن آپ کے قدموں کی چاپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔

آپ کے ٹھٹھکنے ہی سے سمجھ گیا کہ آپ میری رام کہانی سننے کے خواہش مند ہیں۔ اچھا تو سنو! میرے والد ایک کھیت مزدور تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ میں ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ بچپن میں مجھے اپنے ماں باپ کا بے حد لاڈ پیار ملا۔ جب میں چھ برس کا ہو گیا تو مجھے گاؤں کے ایک اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ میں باقاعدگی سے اسکول جانے لگا۔

ان دنوں گرمی کے موسم میں اکثر چیچک کی بیماری بھیانک شکل اختیار کر لیتی تھی۔ ایک دن میں بھی اس بیماری کا شکار ہو گیا۔ بیماری متعدی ہونے کے سبب مجھے سب سے الگ تھلگ جھونپڑی کے ایک کونے میں سلا دیا گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد مجھے بیماری سے چھٹکارا تو مل گیا مگر جاتے جاتے یہ بیماری میری آنکھیں لیتی گئی۔ میری زندگی میں اندھیرا چھا گیا۔ ایک دن شہر سے آتے ہوئے ایک صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ میری قابل رحم حالت دیکھ کر وہ مجھے یہاں لے آئے۔ یہاں آنے پر پتہ چلا کہ وہ تو بھیڑی کھال میں بھیڑیا ہے۔ اس شہر میں بھکاریوں کی کمائی پر عیش کرنا اس کا پیشہ ہے۔ اسی نے مجھے لاکر گلی کے اس نکڑ پر کھڑا کر دیا ہے۔

یہاں میں صبح سے شام تک بھیک مانگتا ہوں۔ دو پہر کو ان کے آدمی آ کر میرے کھانے پینے کا انتظام کر جاتے ہیں۔ شام کو آ کر وہ میری دن بھر کی کمائی لے لیتے ہیں اور مجھے ڈیرے پر پہنچا دیتے ہیں۔ وہی لوگ رات کے کھانے پینے کا انتظام بھی کرتے ہیں۔ بیمار پڑنے پر دوا دارو کا انتظام بھی وہی لوگ کرتے ہیں۔

اب تو میں بڑھاپے کی منزل کو پہنچ چکا ہوں۔ میں پوری طرح ان کے رحم و کرم پر منحصر ہوں۔ زندگی میرے لیے ریگستان کے مانند ہے جہاں امید کا کوئی پودا نہیں ہے۔

سوال : درج ذیل عنوان پر ۱۰۰ تا ۱۲۰ الفاظ پر مشتمل ایک مضمون لکھیے :
بے روزگاری کا مسئلہ

جواب :
بے روزگاری کا مسئلہ

ہمارا ملک مختلف مسائل سے نبرد آزما ہے۔ ان میں سے ایک اہم اور بڑا مسئلہ بے روزگاری کا ہے۔ ہمارے ملک کو آزاد ہوئے ستر سال سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ اس کے باوجود بے روزگاری کا مسئلہ جوں کا توں ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ مسئلہ روز بروز سنگین ہوتا جا رہا ہے۔

ہمارے ملک میں بے روزگاری کا اہم سبب آبادی میں ہونے والا بے تحاشا اضافہ ہے۔ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے ہمارا ملک دوسرے نمبر پر ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کی مہم کے باوجود آبادی مسلسل بڑھ رہی ہے۔

ہمارے ملک میں بے روزگاری کا دوسرا سبب تعلیم کا ناقص نظام ہے۔ اگرچہ وقفے وقفے سے اس نظام میں اصلاح کی جاتی رہی ہے لیکن اصلاحات ناکافی ثابت ہو رہی ہیں۔ بے روزگاری کے مسئلے کو حل کرنے کے مقصد سے نصاب میں پیشہ ورانہ کورسوں کو شامل کیا گیا ہے لیکن اس پر خصوصی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔

بے روزگاری کا ایک سبب ہمارے ملک کے پنج سالہ منصوبوں میں مشمولاتی منصوبے کی کمی ہے۔ ان منصوبوں میں تعلیم اور روزگار کو جوڑنے پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ اس وجہ سے طلبہ کو رس مکمل کرنے کے باوجود روزگار سے نہیں جڑ پاتے ہیں۔

بے روزگاری کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے بڑھتی ہوئی آبادی پر کنٹرول کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام پر موثر ڈھنگ سے عمل کرنا چاہیے۔ دیہی علاقوں میں زرعی ترقی کو ترجیح دینی چاہیے اور روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔ گھریلو صنعتوں اور چھوٹی صنعتوں کو زیادہ سے زیادہ بڑھاوا دینا چاہیے اور تعلیم کو روزگار سے جوڑ دینا چاہیے اس کے علاوہ تعلیم یافتہ افراد کو محنت کی عظمت کا احساس دلانا ہوگا تاکہ وہ محنت کرنے میں شرم محسوس نہ کریں۔
مذکورہ بالا تدابیر کو روبہ عمل لانے سے ہمارے ملک کا بے روزگاری کا مسئلہ یقینی طور پر کچھ حد تک تو ضرور دور ہو سکتا ہے۔

میں آئینہ بول رہا ہوں ...

جواب :

میں اپنی مونچھیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی شکل کیسی ہوگی؟ میں تھوڑی چوڑی مونچھیں چاہتا تھا۔ ہونٹوں تک آئی ہوئی مونچھیں لیکن ہونٹوں کو مس نہ کریں۔ جیسی مونچھیں میں چاہتا ہوں اگر بن گئی تو کیسا دکھائی دوں گا؟ میں کن کن لوگوں کو پسند آؤں گا؟ میری آنکھوں کے سامنے کچھ چہرے گھومنے لگے۔ میں بالکل خاموش تھا۔ اتنے میں کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز نے خاموشی کو توڑ دیا۔ میں جھٹ پٹ ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ آئینہ ہی ہنس رہا تھا۔

”واہ! واہ! کتنے خاموش ہو گئے تھے، ہے نا؟ خیر، آپ انسانوں کو خواب دکھانے کے لیے ہی میرا جنم ہوا ہے!

”دیکھیے، ہر انسان کو سب سے زیادہ خود سے پیار ہوتا ہے۔ دوسروں سے الگ اور منفرد دکھائی دینے کے لیے لوگ کچھ الگ قسم کی حرکتیں کرتے ہیں اور ایسا کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔ اسی جدوجہد کے نتیجے میں انسان نے بے شمار کارنامے انجام دیے ہیں۔ اسی وجہ سے آج انسان تمام حیوانات کا بادشاہ اور اس دنیا کا بادشاہ بن گیا ہے۔ ان تمام مشاہیر نے اپنے ہر کارنامے پر خود کو آئینے میں ضرور دیکھا ہوگا۔ اور دل ہی دل میں اپنی تعریف کی ہوگی۔ آپ کے دل میں اس تحریک کو میں ہی جنم دیتا ہوں۔ آپ کی ترقی میں میرا اہم رول ہے۔

”آپ کو یاد ہے؟ میلے میں ہماری ملاقات ہوئی تھی! میں کتنے مختلف روپ میں وہاں موجود تھا۔ آپ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ آپ کو کتنے عکس دیکھنے کو ملے تھے۔ کہیں گول مٹول، کہیں بونے تو کہیں خوب لمبے دکھائی دے رہے تھے۔ اپنی عجیب و غریب شکلیں دیکھ کر آپ سب لوگ کتنا ہنس رہے تھے۔

”یاد رکھیے، میرے یہ روپ محض ہنسنے ہنسانے کے لیے نہیں ہیں۔ پیچھے سے آنے والی گاڑیاں ڈرائیور کو دکھانے کے لیے میں ہی ہر گاڑی کے کنارے بیٹھا رہتا ہوں۔ مختلف قسم کے عدسے بھی میرا ہی روپ ہیں۔ تجربہ گاہ میں خردبین سے لے کر خلا کے سیاروں تک کا مشاہدہ کرنے والی دوربین تک ہر جگہ میں ہوں۔ گھر میں، دالان میں، کپڑوں پر، دکانوں میں، سڑکوں پر، گاڑیوں میں، میلوں میں، جگہ جگہ میں ہوں۔ خیال رہے کہ میں نے کبھی غرور نہیں کیا۔

”پانی پینے کے لیے انسان جب پہلی بار ندی پر جھکا ہوگا تو اسے پانی میں اپنی ہی شکل دکھائی دی ہوگی۔ تب سے میں اس کے ساتھ ہوں۔ میں نے خود کو الگ رکھا اور انسانوں کی مدد کی ہے۔ آپ بھی اسی طرح خود غرضی کو چھوڑ کر دوسروں کی مدد کرتے رہیں۔ دیکھیے گا، آپ کتنے عظیم بن جاتے ہیں!“

(۱) رشوت خوری - ایک مسئلہ

آزادی کے بعد ہمارے ملک نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی ہے۔ زراعت میں اس قدر ترقی ہو گئی کہ اناج کے معاملے میں خود کفیل ہو گئے۔ صنعت و حرفت کی ترقی سے ملک خوشحال ہوتا جا رہا ہے۔ خواندگی کی شرح بڑھ گئی ہے۔ طبی سہولتوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک میں کرپشن یعنی رشوت خوری میں بھی بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔

رشوت خوری ایک سنگین مسئلہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ آج کوئی بھی کام بغیر رشوت کے نہیں ہوتا۔ یہ تو کہاوت بن گئی ہے کہ رشوت لینے پر پکڑے گئے ہو تو رشوت دے کر چھوٹ جاؤ۔ سرکاری دفاتر ہوں کہ پولیس کا محکمہ، راشن کارڈ بنوانا ہو یا سرکاری اسپتال میں علاج کروانا ہو بغیر رشوت کے آپ کا کوئی کام نہیں ہوگا۔

ایک عرصے تک تعلیم کا شعبہ اس لعنت سے محفوظ رہا لیکن پچھلی تین دہائیوں سے یہ شعبہ بھی اس لعنت کا شکار ہو گیا ہے۔ اچھے اسکول یا کالج میں طلبہ کا داخلہ کروانا ہے تو رشوت دیجیے۔ مدرسے یا کلرک کی نوکری درکار ہے تو رشوت دیجیے۔ امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہونا ہے تو مٹھائی کھائیے۔ غرضیکہ اب زندگی کا کوئی بھی شعبہ رشوت کے لین دین سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جو لوگ بدعنوانی ختم کرنے کا وعدہ کر کے اقتدار میں آتے ہیں، کچھ دنوں بعد وہ بھی بدعنوانی کے دلدل میں دھنستے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

صورت حال اس قدر ابتر ہے کہ رشوت خوری کے خاتمے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ رشوت کے نئے نئے طریقے ایجاد ہوتے جا رہے ہیں۔ جن کے بارے میں جان کر حیرت ہوتی ہے کہ خدا کرے کہ ہم ہندوستانیوں کو کسی طرح رشوت خوری کی لعنت سے نجات مل جائے۔

(۳) پرندوں کو درپیش مسائل

اخبارات اور رسائل میں اس حقیقت کا برملا اظہار کیا جا رہا ہے کہ دنیا سے پرندوں کی تعداد تیزی سے گھٹ رہی ہے۔ ان میں خاص طور پر گوریانا می چھوٹی سی چڑیا جسے ہم روزانہ درختوں پر چہچہاتے ہوئے سنتے ہیں، اب ان کی آواز سننا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ انسان ہیں جو درختوں کو کاٹ کر ان کے فطری مسکن کو تباہ کر دیتے ہیں اور انھیں اپنی بالکنی یا ٹیریس میں گھونسلہ بھی بنانے نہیں دیتے۔ علاوہ ازیں کارخانوں اور گاڑیوں کی وجہ سے فضائی آلودگی بڑھتی جا رہی ہے جس کی وجہ سے پرندوں کی زندگی خطرے میں ہے۔ ہم نے اپنے گرد و پیش کو بھی بالکل کانگریٹ کا جنگل بنا کے رکھ دیا ہے۔ بلڈنگوں کے چاروں طرف ٹائلز، پکی سڑکیں۔ کہاں ہے ہریالی؟ یہی وجہ ہے کہ پرندے آہستہ آہستہ شہروں سے رخصت ہو رہے ہیں... کبھی نہ لوٹنے کے لیے۔

درخت، پرندوں کے لیے محض مسکن ہی نہیں بلکہ غذا کی اشیاء کا ذریعہ بھی ہیں۔ درختوں کی کٹائی کی وجہ سے انھیں اپنی غذا حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس لیے ہمیں اپنی کھڑکیوں اور بالکنیوں کے باہر ان کے لیے غذا کا انتظام کرنا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں اپنے آس پاس زیادہ سے زیادہ درخت اُگانے چاہئیں تاکہ پرندے لوٹ کر آئیں۔ درختوں اور پرندوں کی وجہ سے ماحول متوازن رہتا ہے۔ ماحولیات کے تحفظ کے لیے ہمیں اپنے دوست پرندوں کے لیے ضروری اقدامات کرنے ہوں گے، ورنہ ایک ایک کر کے پرندوں کی تمام اقسام فنا ہو جائیں گی۔

(دلچسپ آغاز و تمہید - 1 نمبر؛ موضوع کی مناسبت سے تفصیلات - 2 نمبر؛ دلکش اسلوب نگارش - 2 نمبر؛

مناسب اختتام - 2 نمبر؛ مجموعی تاثر - 1 نمبر؛ تمام نکات کو مد نظر رکھتے ہوئے 8 میں سے نمبر دیے جائیں گے)

مساوات مرد و زن (موضوعاتی مضمون)

آج مساوات مرد و زن کی بات اس لیے کی جا رہی ہے کہ صدیوں سے ہمارے ملک میں معاشرے پر مردوں کا غلبہ رہا ہے۔ مردوں کی بالادستی کی وجہ سے عورتوں کا استحصال کیا جاتا رہا ہے۔ عورتوں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ نہ انھیں حصول تعلیم کا حق تھا اور نہ ہی کسی معاملے میں ان کی رائے اور مشورے کو اعتبار حاصل تھا۔ جیسے جیسے زمانہ ترقی کرتا گیا، تعلیم عام ہونے لگی۔ معاشرے کے بعض مصلحین نے عورتوں کو برابری کا درجہ دینے کا بیڑہ اٹھایا۔ عورتوں نے بھی جب اس حق تلفی اور نا انصافی کو محسوس کیا تو صدائے احتجاج بلند کرنا شروع کر دیا۔

آج حالات مختلف ہیں۔ تحریک آزادی نسواں اور حق تعلیم کے اطلاق نے آج منظر نامے کو یکسر بدل دیا ہے۔ ان دنوں تعلیم یافتہ عورتیں پوری آزادی کے ساتھ مردوں کے شانہ بشانہ مختلف شعبہ حیات میں سرگرم عمل ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ راہ حیات پر یہ گاڑی اسی وقت ٹھیک طور پر چل سکتی ہے جب دونوں پہیے برابر ہوں۔ بالفاظ دیگر مرد و عورت کو برابری کا درجہ حاصل ہو۔ عورت کو اسی لیے نصف بہتر، شریک حیات اور رفیق زندگی جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو ان کے حقوق دینے کے تعلق سے تاکید کی ہے۔ ان کے ساتھ ناروا سلوک اور ظالمانہ و حاکمانہ رویے کی سخت مذمت کی ہے۔

دور حاضر کی دنیا کے بیشتر ممالک میں مرد اور عورت کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ آج وہ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں۔ رائے دہی کا حق استعمال کر سکتی ہیں۔ انتخابات میں بحیثیت امیدوار شریک ہو سکتی ہیں۔ مردوں کے شانہ بشانہ ملازمت کر سکتی ہیں۔ اپنی عزت و احترام کے لیے، اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے لڑ سکتی ہیں۔ وہ زمانہ لد گیا جب اسے اس کے حقوق سے محروم رکھ کر اس کے ساتھ لونڈیوں اور کنیروں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ بعض شعبوں میں تو اب اسے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے مواقع بھی میسر ہیں۔ آج وہ معلم، ڈاکٹر، نرس، انجینئر، پولس آفیسر، حاکم ضلع، سائنس داں اور سیاست داں حتیٰ کہ ملک کے وزیر اعظم ہونے کی ذمہ داریاں بھی اٹھا سکتی ہے۔

آج اس نے اپنی کارکردگی، حسن انتظام، سمجھ بوجھ اور عقل و دانش اور ہمت و حوصلے سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی کسی سے کم نہیں ہے اور اسے کسی سے کم تر نہ سمجھا جائے۔ اب مرد و زن دونوں مساوی ہیں، دونوں کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ ہمارے ملک کے آئین میں بھی اسے برتری حاصل ہے۔

سوال : 'میں تختہ سیاہ بول رہا ہوں' اس موضوع پر آپ بتی لکھیے۔

جواب :

میں تختہ سیاہ بول رہا ہوں (آپ بتی)

جی ہاں! میں تختہ سیاہ بول رہا ہوں۔ ایک ماہر کارِ مگر نے مجھے بتایا تھا۔ جب میں بن کر تیار ہوا تو اس وقت میرا روپ انتہائی پرکشش تھا۔ ہر استاد سب سے پہلے مجھ پر کچھ نہ کچھ لکھنے کا خواہش مند تھا۔ آخر وہ شہ گھڑی آگئی جب ریاضی کے ایک استاد نے موتی جیسے چمکیلے حروف میں ریاضی کے فارمولے لکھ کر میری زندگی کو با معنی بنادیا۔ روزانہ صبح سویرے لکھے گئے اقوال زیریں نے میری قدر میں اضافہ کر دیا۔

میری تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی استاد اور شاگرد کے تعلق کی تاریخ۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ میری شکل و صورت اور جسامت بدلتی رہی۔ آج میرے کئی رنگ روپ ہیں۔ اب میں کئی جسامتوں میں پایا جاتا ہوں۔ اب میں ریت، سینٹ، لکڑی، پلاسٹک، شن، نیز ڈیجیٹل ڈریس کی صورت میں بھی موجود ہوں۔ شکر ہے کہ میرے نام کے ساتھ کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ نہیں کی گئی۔ کیا آپ میرے سیاہ ہونے کا سبب جانتے ہیں؟ میں طلبہ کی لاعلمی کی سیاہی کو جذب کر کے سیاہ ہوا ہوں۔ مجھ پر لکھے گئے اچلے، چمکیلے حروف اساتذہ کے ذہن سے نکلے ہوئے علم کے سوتے ہیں جو طلبہ تک پہنچ کر انھیں ذہین اور عالم بناتے ہیں۔ میں استاد اور شاگردوں کے درمیان رشتہ قائم کرنے کا اہم وسیلہ ہوں۔ میرے بغیر کلاس روم صرف ایک کمرہ ہوتا ہے۔ وہ کمرہ میری وجہ سے جماعت بنتا ہے۔

میں اساتذہ اور طلبہ کا شکر گزار ہوں۔ ان ہی کی وجہ سے میرا وجود باقی رہتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کون مجھے اہمیت دیتا؟ اس لیے ان کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔

ٹیلی فون کی آپ بتی

ٹرن... ٹرن... ٹرن... ارے، اٹھاؤ نہ میرا ریسور۔ کیا تم اپنے موبائل ہی پر لگے رہو گے۔“

تم میری یہ روایتی آواز سن کر چونک گئے! چونکہ فطری ہے۔ کیونکہ اب تو میں کسی کسی گھر میں پایا جاتا ہوں۔ لیکن ابھی زیادہ دن نہیں گزرے جب میں تقریباً ہر گھر میں پایا جاتا تھا۔ اس وقت لوگ مجھے اپنے گھر میں رکھنا اپنی شان سمجھتے تھے۔

سنو، اپنے زمانے میں میری بہت مانگ تھی۔ شروع شروع میں مجھے حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو سال سال بھر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اس وقت میں جن کے پاس ہوتا تھا ان کے نام اور پتے ٹیلی فون ڈائری میں چھپا کرتے تھے۔ زیادہ تر لوگ مجھے اسی ڈائری میں پرکھا کرتے تھے۔

میری بڑی عزت تھی۔ میں اپنی جگہ پر قائم رہتا تھا۔ جسے فون کرنا ہوتا، اسے میرے پاس آنا پڑتا تھا۔ تمہارے موبائل کی طرح نہیں کہ تمہارے ساتھ ساتھ گلی کو پے میں پھرتا رہتا۔ مجھے کام کرنے کے لیے کسی کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ بجلی ہو یا نہ ہو، میں اپنا کام کرتا رہتا۔ ہاں، مجھ میں ایک اور خوبی تھی۔ بات چیت کے علاوہ مجھ سے کوئی دوسرا کام نہیں لیا جاسکتا تھا، جیسے گانا سننا، تحریر پیغام بھیجنا وغیرہ۔

چلتے چلتے بتا دوں کہ میری ایجاد الیکٹرونڈرگراہم بیل نے کی تھی۔ میں ان کا احسان مند ہوں۔ انھوں نے مجھے عزت اور وقار کے ساتھ رہنا سکھایا تھا۔ میں نے زندگی بھر لوگوں کی خدمت کی اور آج بھی خدمت کر رہا ہوں۔ اور بھلا مجھے کیا چاہیے!